Oriental College Magazine, Vol.99, No. 04, Serial No. 374, 2024

پروفیسر سیّد منصور احمد خالدؔ کی شاعری کا جائزہ

محمد عرفان الحق، پی ایچ ڈی

اسسٹنٹ پروفیسر پنجابی

ادارہ پنجابی سلیکھ تے رہتل سار، جامعہ پنجاب، لاہور

RIVIEW OF PROFESSOR MANSOOR KHALID'S POETRY

Muhammad Irfan ul Haq, PhD
Assistant Professor of Punjabi
Institute of Punjabi & Cultural Studies
University of the Punjab, Lahore

Abstract

Present article is about a critical and analytical study of the Poetry of Prof. Syed Muhammad Mansoor Ahmad Khalid. Basicaly he was the professor of Urdu at Higher Education Department, Punjab. He performed his duties as Lecture Urdu at Govt. Jinah Islamia College, Sialkot, as Assistant Professor at Govt. Islamia College, Gujranwala, and as Associate Professor at Govt. College, Setlite Town, Gujranwala, from 1975 to 2003. He passed away in 2007 and buried at Aastana Aalia Habibia, Gujrat. He belonged to an educated, literary and spiritual family. His father Hazrat Molana Syed Muhammad Yousuf Naqashbandi was not only a grate Suffi but also a versatile poet of Urdu and Punjabi. His elder brother Prof. Syed Muhammad Kabir Ahmad Mazhar Naqashbandi was also a lagend personality regarding Suffism, Arabic, Persian, Urdu and Punjabi Literatures, Teaching and Writings. Professor Khalid was not only the competent Professor of Urdu but also a good critic, creater, poet and researcher. He wrote more than fifteen books in Urdu and Punjabi on Poetry, Criticism and Research. His Urdu, Punjbi and Persian poetry is very unique, beautifu and admireable. In present article his poetry had been analysed from different angles.

Keywords:
Syed Muhammad Mansoor Ahmad Khalid, Masnavi Mah-e Siyyam, Persian, Punjabi, Urdu, Manaqib-e Habibia, Fareed-e Zamana

پروفیسر سیّد محمد منصور احمد خالد (۱۹۴۳ء۔۲۰۰۷ء) صاحبِ طرز شاعر تھے۔ اُنھیں فنِ شاعری و سخن وری ورثے میں ملی تھی۔ اُن کے والد سیّد محمد یوسف نقشبندیؒ (۱۹۱۵ء۔ ۱۹۸۲ء) اردو اور پنجابی زبانوں میں بہترین شعر کہتے تھے۔ خاص طور پر ان کی پنجابی نظم "محبت دی دنیا نرالی نرالی" اور اردو زبان میں طویل قصیدہ "عنوان تمنا" شعر و ادب کی دنیا میں انمول اور بے مثال حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ صاحب شریعت عالم، باکمال صوفی اور سیف زبان درویش تھے۔ شاعر کہلوانا پسند نہیں تھا۔ حال آں کہ پیر فضل گجراتی (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۷۲ء)، ڈاکٹر احمد حسین قریشی (۱۹۲۳ء۔ ۲۰۲۳ء)، نظام دین توکلی (۱۹۰۱ء۔ ۱۹۹۲ء) اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۷۴ء) جیسے نام ور ادبا ان کے ارادت مند تھے۔ اُنھیں اردو، پنجابی، عربی اور فارسی شعرا کے دیوان ازبر تھے۔ فنِ شعر و سخن پر کمال ملکہ حاصل تھا اور فی البدیع شعر کہتے تھے۔ لیکن اپنی پہچان ایک درویش اور صاحبِ شریعت صوفی کی حیثیت میں پسند کرتے تھے۔ اسی طرح اُن کے بیٹے پروفیسر خالد بھی اپنا تعارف بہ طور ایک استاد کرواتے تھے۔ حال آں کہ بڑے بڑے نام ور صاحب سخن معاصرین اُن کے فنِ شعر کے قائل تھے۔ اُنھوں نے اردو زبان میں شعر کہنے سے آغاز کیا پھر زمانہ طالب علمی کے ایک واقعے نے اُنھیں پنجابی اشعار کہنے کی طرف ترغیب دی۔ اس حوالے سے ۱۹۶۹ء میں شایع ہونے والی پہلی پنجابی کتاب پھُلاں بھری چنگیر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

> اسلامیہ کالج وچ ہون والے اک مشاعرے وچ میں اک غزل پڑھی۔ غزل پنجابی وچ سی تے میں پہلی واری لکھی سی:
>
> ڈبیا ہویا قہر وچ!
> خبرے سی کس لہر وچ
> دھپ وی پنڈا ٹھاریا
> کیہ سی اوس دوپہر وچ
> پکیاں اٹاں ویکھ کے
> میں نہ وڑیا شہر وچ
> روپ کسے دا کھنڈ دا
> لہ لہ کردی لہر وچ
>
> غزل پڑھ ہٹیا تے میرے کول بیٹھے ہوئے میرے اک پروفیسر مینوں کہن لگے "اپنی ماں بولی وچ شعر کہنا بڑا اوکھا کم اے پر توں تے چنگے بھلے شعر لکھ لینا ایں" اوہناں دی ایہ گل کسے تیر وانگوں میرے سینے وچ اتر گئی تے اوس راہ دا موڑ بن گئی جیہڑی اج مینوں "پھُلاں بھری چنگیر" والی منزل تے لے آئی اے۔(۱)

پروفیسر خالد کا تعلق اصفیاء واولیاء کے خانوادے سے تھا۔ اُن کے والدین اور اجداد نہایت جید علماء اور صاحب حال اصفیاء میں سے تھے اس لیے اُنھیں جو ماحول اور تربیت میسر آئی تھی وہ اللہ، رسول ﷺ اور دین سے قربت اور محبت کے جذبات سے مزین تھی۔ خاص طور پر جب وہ محض چودہ برس کی عمر میں اپنے دادا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ (۱۸۹۵ء-۱۹۶۱ء) سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور باطنی تربیت کا عمل شروع ہوا تو ان کا دل اپنے پیشوا کی محبت سے لب ریز ہو گیا اور اُنھوں نے عشق و مستی کی کیفیت میں ان کی مناقب لکھنی شروع کیں۔ یہ مناقب اپنی طرز، لَے، موسیقیت، فن اور فکر کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ اور قابل ستائش ہیں۔ ان کی مناقب میں محبت، ادب، وارفتگی اور پیشوائے گرامی کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے فطری اور بے لاگ جذبات کا اظہار ملتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی ایک منقبت میں لکھتے ہیں:

محبوب دوعالم ﷺ کا فیضان حبیب اللہؒ
معیار طریقت کی پہچان حبیب اللہؒ
ہر نگہ کرم ان کی گنجینہ معانی کا
فطرت کے خزانوں کا دیوان حبیب اللہؒ
خالدؔ میں بتاؤں کیا اس سینہء صافی کا
بطحا کے اجالوں کا فیضان حبیب اللہؒ(۲)

پروفیسر خالد کی شاعری میں دو اہم باتیں اُنھیں اپنے معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں۔ ایک فنِ شعر پر ان کی کامل گرفت اور دوسرا ان کا ابلاغِ شعر۔ جب وہ شعر کہتے تو ہر لفظ کے پس منظر کو بہ خوبی سمجھتے اور جانتے ہوئے منتخب کرتے ہیں۔ وہ منقبت نگاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ جب وہ اپنے مرشد گرامی کی مدح بیان کرتے ہیں تو اُن کے اشعار بحرِ رواں کی طرح مسلسل اور موزوں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر لفظ، ہر مصرعہ اور ہر شعر اپنی انفرادی خوب صورتی کے ساتھ منقبت کے مجموعی حُسن کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ اگرچہ اُن کے الفاظ آسان اور انداز بالکل سادہ ہے تاہم یہ سادگی زبردست قوتِ ابلاغ کی حامل ہے۔ ان کے اشعار کو پڑھنے والا نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ یہ اشعار ازبر کر لیتا ہے۔ اُن کا ہر شعر اپنے معنی و مفہوم کے ساتھ پوری روایت کو سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اُن کا ایک شعر ہے:

وہ پرتو کامل ہیں اُسوہ نبوت ﷺ کا
اخلاق میں ہیں گویا قرآن حبیب اللہؒ(۳)

اس شعر میں ایک طرف اُنھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے ارشاد "رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہے" کی طرف اشارہ کیا ہے اور دوسری جانب انھوں نے سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ کی کامل اتباعِ سنت کی بات کی ہے۔ وہم و گمان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر اپنی خام خیالی کو اشعار کا روپ دینا اور بات ہے جب کہ کامل شعور کے ساتھ رویت کا مطالعہ کرنے کے بعد حقیقت کو شعری پیرائے میں بیان کرنا اور بات ہے۔ پروفیسر خالد کے ہاں ہمیں وہ لازوال شعور اپنے حسن و جمال اور بھرپور ردھم کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اُن کی الفاظ اور ان کے بر محل استعمال کے فن پر گرفت اتنی مضبوط ہے جیسے کسی سنگ تراش کے ہاتھ میں پتھر موم ہوتا ہے۔ اپنی ایک منقبت میں وہ لکھتے ہیں:

اُن کی نظروں سے دل کے آنگن میں
کُھل گیا روشنی کا دروازہ
دولتِ ذکر ہے عطا اُن کی
وہ خفی و جلی کا دروازہ
جو طلب سے سوا عطا کر دے
ہے یہ ایسے سخی کا دروازہ
اک بہشت بریں کا ٹکڑا ہے
خالدؔ اُن کی گلی کا دروازہ(۴)

بڑے شعرا کی طرح پروفیسر خالدؔ نے مناقب لکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی زندگی کے مختلف حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے لب کشائی کی ہے۔ مشکلات تو زندگی میں ہر کسی کو در پیش ہوتی ہیں مگر ان کا سامنا کوئی کس انداز سے کرتا ہے یہ بات اہم ہے۔ سیّد محمد کبیر احمد مظہرؒ (۱۹۴۰ـ۲۰۰۹ء) نے اپنے داداجان کی زندگی کے کٹھن حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ۹ جنوری ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے اور اپریل ۱۸۹۶ء میں ان کی والدہ ماجدہ رحیم بی بی کا وصال ہو گیا۔ جب کہ اُن کے والد ماجد سیّد عطا محمدؒ کا وصال بھی ۱۸۹۹ء میں ہو گیا۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۰ء کو اُن کے داداجان حضرت سیّد نتھے شاہؒ بھی نوّے سال عمر پا کر واصل حق ہو گئے۔ جن کے ایک سال بعد ۱۹۰۱ء میں اُن کے بڑے بھائی سیّد بدر دینؒ بھی ایک سو ایک سال عمر پا کر وصال فرما گئے۔ چناں چہ شان دار خاندانی پس منظر کے ساتھ اُن پر ولادت کے بعد پے بہ پے جان کاہ صدمے ٹوٹے اور والدہ، والد، داداجان اور داداجان کے بڑے بھائی یکے بعد دیگرے یہ سب سہارے چھوٹ گئے اوہ وہ چھ سال کی عمر میں زندگی کی وسعتوں میں تگ و دو کرنے کے لیے اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے تنہا رہ گئے۔ بڑھاپے میں تین صاحبزادگان کے پے بہ پے صدمات دیکھے، خود طویل علالت پائی اور دشمنانِ خدا

سے بہت ایذا اُٹھائی مگر سبحان اللہ صبر و تسلیم ایوبؑ اور استقلال و خلق مصطفویﷺ کا نقشہ دکھلا گئے۔(۵)

پروفیسر خالدؔ نے اس سارے پس منظر کو دو اشعار میں اس طرح منضبط کر دیا:

گھٹا کی طرح چلا دوپہر کے جادے میں
کرم کا ابر تھا انسان کے لبادے میں
یقین اُس کا زمانے سے داد لیتا رہا
پہاڑ کی طرح مضبوط تھا ارادے میں(۶)

پروفیسر خالد نے مناقب کے علاوہ اردو زبان میں مثنوی بھی لکھی ہے۔ ان کی مثنوی بھی فن و فکر کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ مثنوی عمومی طور پر داستان گوئی کے لیے ایک بہترین ذریعہ اظہار تصور کی جاتی ہے۔ لیکن پروفیسر خالدؔ نے مثنوی کو فیوض و برکاتِ ماہِ صیام کے اظہار کے لیے استعمال کیا ہے۔ پروفیسر حفیظ تائبؒ(۱۹۳۱۔۲۰۰۴ء) نے اس مثنوی ماہِ صیام کے حوالے سے لکھا کہ کسی ماہ شعبان کے آخر میں سیّد الکونین ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ تمہارے پاس عظمت و برکت والا مہینہ آرہا ہے۔ یہ مہینہ باہمی غم خواری اور ہمدردی کا مہینہ ہے۔ اس میں مومن کا رزق بڑھتا ہے۔ اس مہینے کا اوّل حصّہ رحمت، درمیانی حصّہ مغفرت اور آخری حصّہ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ہے۔ ادھر شعبان ۱۴۱۳ھ کے آخری ایام میں سیّد منصور احمد خالد اسی برکت اور عظمت والے مہینے کو اپنے فن و فکر کا موضوع بنا کر مثنوی ماہ صیام لکھ رہے تھے۔ اُنھوں نے مزید لکھا:

> اس مثنوی میں سیّد منصور احمد خالدؔ نے فضائل رمضان کو بڑے جمالی اور جدید لہجے میں بیان کیا ہے۔ اس مثنوی کو اُنھوں نے اٹھارہ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ ابتدائی حصّے کو بہار صیام عنوان دے کر اسے بہار فطرت قرار دیا ہے۔(۷)

پروفیسر خالد نے "سنگ سنگ" کے زیرِ عنوان بچوں کے لیے نظمیں بھی لکھیں۔ یہ مختصر بحر میں بڑی سلیس اور دل پسند نظمیں تھیں۔ لیکن حادثاتِ زمانہ نے اُنھیں گم کر دیا ہے۔ اُن کی اردو شاعری میں مذکورہ بالا تینوں کتابیں مناقبِ حبیبیہ ﷺ، مثنوی ماہِ صیام اور سنگ سنگ فنی و فکری ہر دو اعتبار سے قابل ستایش ہیں۔ جیسا کہ پروفیسر خالد نے اردو کے ساتھ یکساں معیار کی پنجابی شاعری بھی کی ہے۔ وہ پاکستان بننے کے بعد اُن نوجوان شعرا میں سے تھے جنھوں نے بھرپور محبت اور اخلاص کے ساتھ

مادری زبان میں ادب تخلیق کیا۔ پنجابی زبان کی بہترین شعری روایت کی موجودگی میں بہت سارے جدید شعرا نے پنجابی میں محض اس لیے طبع آزمائی نہیں کی کہ پنجابی کے کلاسیکی شعراء کے سامنے اُن کی بات نہیں بن سکے گی۔ یہ بات حقیقت ہے کہ کلاسیکی پنجابی شاعری کی موجودگی میں اس طرف مائل ہونا ایک مشکل رجحان تھا۔ اُنھوں نے ۱۹۶۹ء میں، جب وہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں شعبہ اردو زبان و ادب کے طالب علم تھے، پنجابی قطعات پر مشتمل اپنی پہلی کتاب پُھلاں بھری چنگیر طبع کروائی۔ اس کتاب پر اپنی آراء دینے والوں میں اصغر سلیم(پ۱۹۱۹ء)، پروفیسر ڈاکٹر وحید قریشی (۱۹۲۵۔۲۰۰۹ء)، شفقت تنویر مرزا (۱۹۳۲۔ ۲۰۱۲ء)اور ڈاکٹر اجمل نیازی (۱۹۴۶۔ ۲۰۲۱ء) جیسی نام ور ہستیاں شامل تھیں۔ ان قطعات میں پروفیسر خالد نے سادہ اور عامیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے پنجابی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ پنجاب کا لوک ادب پنجابی ثقافت کا امین ہے۔ اُنھوں نے پنجابی شاعری میں اس رنگ کو بھرپور طریقے سے اختیار کیا ہے۔ اُن کے والد محکمہ زراعت میں ملازمت کی وجہ سے ساہیوال، سرگودھا، راولپنڈی اور کالا شاہ کاکو زرعی فارموں پر تعینات رہے تھے۔ جس کی وجہ سے پروفیسر خالد نے اپنی اوائل عمری میں شہر کی بارونق اور روشن زندگی کے ساتھ گاؤں کی پرسکون اور خالص زندگی کا مشاہدہ بھی بڑے قریب سے کیا تھا۔ اس لیے ان کا انسلاک اپنی ثقافت کے ساتھ بہت مضبوط اور گہرا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں ہمیں لوک شاعری کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ جیسے ایک پنجابی قطعے میں وہ کہتے ہیں:

جیناں ای تے ایس طراں جی
بننا ای تے ایس طراں بن
جیویں کرناں دے وچ سورج
جیویں تاریاں دے وچ چن(۸)

پروفیسر خالد کا اولین شعری مجموعہ پُھلاں بھری چنگیر تھا۔ یہ پنجابی قطعات ہیں جو پنجابی زبان میں پہلی بار منظوم کیے گئے۔ اس سے قبل پنجابی میں اگرچہ رباعی کی روایت موجود تھی لیکن قطعات کی روایت موجود نہ تھی۔ جس کے بارے میں اصغر سلیم نے لکھا:

> منصور احمد خالدؔ ہوراں نے پنجابی وچ پہلی واری قطعے لکھے نیں۔ ایہناں وچ ایہو جیہی آواز اے۔ ساڈے اک بڑے اُچے کلاسیکی شاعر سیّد ہاشم شاہ دیاں دوہڑیاں جیہی اگ دے بھانبڑ تے ایتھے نظر نہیں آوندے پر ایہ گل ضرور اے پئی اوہناں نے گلی لکڑی وانگوں ہولی ہولی دُھخن والی پیڑ دل وچ وسالئی اے۔(۹)

پنجابی زبان میں اُن کی دو کتابیں پیڑ پراگے اور رواج دی پچھان رکھنا ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئیں۔ پیڑ پراگے آزاد نظموں کا مجموعہ ہے جس میں اُنھوں نے چند کافیاں، بولیاں اور ماہیے بھی شامل کیے ہیں۔ یہ کتاب اُنھوں نے ۱۹۷۲ء میں مکمل کی تھی لیکن اپنی درویشانہ طبیعت کی بنا پر کبھی اس کو طبع کرنے کا خیال ہی نہ آیا۔ حتیٰ کہ ۲۰۰۰ء میں ڈاکٹر ارشد اقبال ارشد (پ ۱۹۶۲ء) کی تحریک پر اس طرف توجہ دی اور اسے طبع کروایا۔ پاکستان بننے کے بعد شریف کنجاہی (۱۹۱۴۔۲۰۰۷ء) نے پنجابی نظم کی بنیاد رکھی۔ اُن کے بعد کئی شعرا نے پنجابی میں نظمیں لکھیں۔ جن میں احمد راہی (۱۹۲۳۔۲۰۰۲ء)، باقی صدیقی (۱۹۰۵۔۱۹۷۲ء)، منیر نیازی (۱۹۲۳۔۲۰۰۶ء)، سلیم کاشر (۱۹۳۴۔۲۰۱۷ء) اور زاہدہ صدیقی (پ ۱۹۳۸ء) کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ایک مصرعے کی آزاد پنجابی نظم لکھنے کا تجربہ سب سے پہلے منیر نیازی نے کیا تھا۔ اسی زمانے میں پروفیسر خالد بھی گوشہ گمنامی میں آزاد نظم لکھ رہے تھے۔ اُن کے بارے پروفیسر حفیظ صدیقی (پ ۱۹۴۱ء) نے لکھا ہے:

> پیڑ پراگے آزاد نظماں تے مشتمل شعری مجموعہ اے جس دا مطالعہ دس دا اے کہ شاعر آزاد شاعری دی تکنیک نوں پوری طرحاں سمجھدا اے تے اوہنوں ورتن دے ہنر توں پوری طرحاں واقف اے۔۔۔۔۔ پنجابی وچ اک مصرعے دی نظم اجے مقبول نہیں۔ مینوں لے دے کے اجے صرف دوناں ای نظر آئے نیں جیہناں پنجابی وچ اک اک مصرعے دیاں بڑیاں سوہنیاں نظماں لکھیاں نیں۔ ایہ نے منیر نیازی تے زاہدہ صدیقی تے مینوں خوشی ہوئی اے کہ ہن ایس حوالے نال سیّد منصور احمد خالدؔ دا ناں تیسرے ناں دے طور تے لیا جائے گا۔(۱۰)

پروفیسر خالد نے ان نظموں میں لوک دانش سے لے کر سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل، مذہبی واخلاقی معاملات اور حقائقِ زندگی کو سمونے کی کوشش کی ہے۔ وہ سادہ زبان اور بہت آسان الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے بڑے مؤثر انداز میں اپنا نکتہ نظر بیان کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی طویل نظموں میں بھی الجھن اور بوریت محسوس نہیں ہوتی بل کہ ان کے کلام میں قدرتی دل کشی اور جمال نظر آتا ہے جس کی وجہ سے ان کے اشعار دل چسپ اور توجہ کو اپنی طرف مبذول کروانے والے ہوتے ہیں۔ یہ ہی کمال ان کی مختصر اور ایک مصرعے کی نظموں میں بھی نظر آتا ہے۔ مثال کے طور یہ نظمیں دیکھی جاسکتی ہیں:

اُچی کرسی بہ کے

رب دا بندہ اپنے رب نوں بھُل جاندا اے(۱۱)

O

جھلے جہے انسان
ہوراں دی پگ پا کے اپنا قد ودھان(۱۲)

O

یاداں
گوری بانہہ وچ ڈھلکن جیویں رنگ برنگیاں ونگاں(۱۳)

O

اک حقیقت
جیون دے سہارے نیں
ڈبدے نوں کنارے نیں
ایویں جیہاں خواباں ای
کئی بخت سوارے نیں(۱۴)

واج دی پچھان رکھنا پنجابی زبان میں طبع زاد بولیوں کی پہلی کتاب ہے جو پروفیسر خالد نے ۱۹۷۴ء میں مکمل کی تھی۔ جس میں اُنھوں نے بولیوں کے ذریعے پاکستانی معاشرے کو درپیش مختلف مسائل کو موضوع بنایا ہے۔"بولی" پنجابی لوک ادب کی ایک اہم اور قدیم صنف ہے جو عام لوگوں کے احساسات، جذبات اور خیالات کے اظہار کا بے لاگ ذریعہ ہے۔ پنجابی لوک ادب کی صنف کو طبع زاد رنگ میں ڈھال کر اُنھوں نے جہاں اپنی ثقافت کے ساتھ ان مِٹ رشتے کو دوام بخشا ہے وہیں پنجابی ادب میں ایک نیا تجربہ کرتے ہوئے اپنے تئیں طبع زاد بولیاں لکھنے والے پہلے شاعر کی حیثیت سے متعارف کروا کر ایک نئے رجحان کی بنیاد رکھی ہے۔اُن کے بارے میں اقبال زخمی(۱۹۴۱ء۔۲۰۰۹ء) نے لکھا تھا:

> سیّد منصور احمد خالدؔ اک حساس شاعر اے۔ اوہناں اپنے آل دوالے توں اکھّاں نہیں میٹیاں سگوں بڑی شدت نال ہر گل نوں محسوس کیتا اے۔ اوہ بجٹ دارولا ہووے یا مہنگائی دا جن، ٹیکساں دی بھر مار وہووے یا تھاں تھاں ہوندے بمب دھماکیاں دی آواز، نوکر شاہی وچ کلرکاں دی کنج مٹھی گرم کرنی پیندی اے، ماتحت نوں اپنی اے سی آر لکھوان واسطے کیہڑے کیہڑے پاپڑ ویلنے پیندے نیں ایہ سارے تماشے اوہ کھلی اکھیں ویکھ رہے نیں۔(۱۵)

پروفیسر خالدؔ نے پنجابی بولیوں میں موجودہ سماجی مسائل کو موضوع بنا کر ایک نئی طرح کی بنیاد ڈالی وہیں پر اُنھوں نے عشق و محبت اور وارفتگی کے قدیم مضمون کو بھی اپنی بولیوں میں گم نہیں ہونے دیا۔ اس ضمن میں ہم اُن کی چند بولیوں کو مثال کے طور پر پیش کر سکتے ہیں:

اکھاں تیریاں نے جادو کیتا
سدھراں نوں پر لگ گئے(۱٦)

O

اوہدے وال بجلی دیاں تاراں
ہتھ لایاں شاٹ پوے(۱۷)

O

گوری وال نچوڑ کے چھنڈے
موتیاں دا مینہ ورھیا(۱۸)

پروفیسر خالد نے اپنے والد گرامی دی مدح میں "فرید زمانہ" کے عنوان سے ایک پنجابی قصیدہ منظوم کیا تھا جسے باقاعدہ طور پر طبع تو نہ کیا جاسکا۔ یہ قصیدہ اُنھوں نے ۱۹۹۹ء میں راقم کے حوالے کیا تھا جسے راقم نے اپنی کتاب مواعظ شہِ یُوسفؒ میں اسے شامل کیا ہے۔ یہ طویل نظم نما قصیدہ مثنوی کی ہیت میں ہے جس میں اشعار کو تسلسل کے ساتھ ذیلی عنوانات کے بغیر لکھا گیا ہے۔ قصیدے کے مضامین مختلف جہات میں ہیں۔ جنھیں بعینہٖ اُسی طرح درج کیا گیا ہے جیسے وہ شاعر کے خیال میں وارد ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اشعار کے ربط وضبط میں کافی لچک موجود ہے البتہ تمام اشعار میں روانی اور بے ساختی کمال درجے کی ہے جو اس کے فطری حُسن و جمال میں اضافہ کرتی ہے۔ شاعر نے اپنے والد سیّد محمد یوسف نقشبندیؒ (۱۹۱۵۔۱۹۸۲ء) کے لیے دعائیہ اشعار سے آغاز کے بعد مختلف انداز نے مدحیہ اشعار کو ترتیب دیا ہے۔ وہ مدح کہتے کہتے فکر و دانش اور فہم و فراست کا درس دینے لگ جاتے ہیں اور پھر ایک دم سے اپنے موضوع کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ جیسے:

ریا تے ریب کولوں دور رہنا
عبادت دے نشے وچ چُور رہنا
پسند جو واسطے اپنے نہ ہووے
اوہ دوجے نوں عطا کرنا دھرو اے(۱۹)

اُنھوں نے اپنے والد گرامی کی مدح کرتے ہوئے نہ صرف اُن کی تعریف کی ہے بل کہ اُن کے کردار، ان کی خانقاہ، ان کی مجلس، ان کی شخصیت اور ان کے عشق کا بے لاگ اظہار کیا ہے۔ جیسے وہ کہتے ہیں:

مرے مٹھل دی جھبڑی خانقاہ سی
اوہ اللہ والیاں دی درس گاہ سی

جتھے قائم سی حلقے ذکر والے
جتھے جم دے سی نقشے فکر والے(۲۰)

پنجابی میں نعتیہ قصیدہ نگاری کی روایت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ پہلا پنجابی نعتیہ قصیدہ تنویر بخاری نے "حضور ﷺ دے حضور" کے عنوان سے طبع کیا تھا۔ ان کے بعد حفیظ تائبؒ نے کچھ طویل نعتیں لکھیں جنھیں قصیدہ سمجھا جاسکتا ہے لیکن یہ باقاعدہ قصیدہ نہیں ہیں۔ پروفیسر خالد نے پہلی مرتبہ پنجابی زبان میں باقاعدہ قصیدہ لکھا۔ یہ قصیدہ امام شرف الدین بوصیریؒ کے قصیدہ بردہ شریف کی پیروی میں لکھا گیا۔ قصیدہ بردہ شریف میں دس فصلیں اور ۱۶۵ اشعار ہیں جب کہ پروفیسر خالد کے پنجابی نعتیہ قصیدے "طلع البدر علینا" میں ۲۱ باب اور ۱۴۱۲ اشعار ہیں۔ یہ طویل قصیدہ ۲۰۰۵ء میں طبع ہو سکا۔ جب کہ حفیظ تائبؒ نے اس کا دیباچہ ۱۹۹۹ء میں تحریر کر دیا تھا۔ اس قصیدے کے بارے میں اُنھوں نے لکھا تھا:

> ادبی لحاظ نال ایہ قصیدہ عقیدت تے فن دی معراج اے۔ ایہدے وچ قصیدے دے سارے لازمے تے سواد جمع کر دیاں ہویاں جویں معنیاں تے مضموناں دے موتی لبھ لبھ کے پیش کیتے گئے نیں اوہ اپنی مثال آپ نیں۔(۲۱)

اس قصیدے سے متعلق پروفیسر غلام رسول عدیم نے ایک طویل مضمون "طلع البدر علینا دا فکری تے فنی جائزہ"(۲۲) کے زیر عنوان لکھا تھا جسے قصیدے کے آغاز میں شامل کیا گیا ہے۔ مدحیہ قصیدہ "فرید زمانہ" کے برعکس نعتیہ قصیدہ "طلع البدر علینا" میں قصیدے کے تمام لوازمات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ تشبیب، گریز، مدح، نعت، صلوٰۃ وسلام، استغاثہ غرض تمام لوازمے بہ عنوان درج کیے گئے ہیں۔ فنی وفکری اعتبار سے پروفیسر عدیمؔ کا تفصیلی مضمون قصیدے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ عقیدت ومحبت اور وارفتگی پروفیسر خالدؔ کی گھٹی میں تھی۔ اُنھوں نے سیرت طیبہ کا مطالعہ بہ طور خاص کیا تھا۔ واقعات وروایات کو اچھی طرح سے جانا اور پہچانا تھا۔ اسی لیے محبت وعقیدت کے ساتھ ساتھ تحقیق وتنقید کی بنیاد پر حقائق کا بیان خوب صورت اور بلند پایہ انداز میں جلوہ گر ہے۔ جیسے وہ کہتے ہیں:

اوہدے ﷺ رُعبِ نبوت اگے تھر تھر تھر تھر کنبے
پیریں پے معافی منگی کعبے دے اصناماں
اوہ ﷺ سلطان اے نبیاں اندر رحمت رافت شفقت
خیر امم ہے اوہدی ﷺ امت تے اور خیر اناماں
منبر تے محراب دا صاحب طیب، طاہر، طٰہٰ
کوثر تے تسنیم وی اوہدے تے محمود مقاماں(۲۳)

پروفیسر خالدؔ ایک درویش صفت انسان تھے جنھیں نہ تو نام وری سے کچھ غرض تھی اور نہ ہی وہ اپنے کلام کو چھپوا کر دنیاوی فوائد کے خواہاں تھے۔ اُنھیں یہ کلام اپنی باطنی کیفیات اور اپنے جذبات کے اظہار کے لیے کہنا تھا۔ اُن میں شرافت تھی، ظرافت تھی، عشق تھا، اخلاص تھا لیکن بناوٹ اور دکھاوے کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اُن کے پاس بلند خیالی اور تخیل کی اُونچی اُڑان تھی، لفظوں دا بیکراں سمندر موجود تھا۔ اُن کے پاس معاشرے کا غم تھا، اصلاح کی خواہش بھی تھی لیکن بلا کا ضبط تھا اس لیے وہ شاعر رہے ناصح نہیں بنے۔ وہ ایک حساس انسان کی طرح ہر شے کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیتے تھے اور اپنے لاشعور کے الہام اور شعور سے متصل وجدان کو الفاظ کے لبادے میں اشعار کا روپ دے کر دل سے اُٹھنے والے احساس کو دلوں تک پہنچانے کا ایسا ہنر جانتے تھے جس میں تردد نام کو نہ تھا۔ وہ بلند پایہ شعرائے کرام کے ہم پلہ تھے مگر گوشہ نشین رہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) پرفیسر سیّد محمد منصور احمد خالد، پھلاں بھری چنگیر، (گوجرانوالا: مکتبہ الکلام، جون ۱۹۶۹ء)، ۷۔

(۲) پرفیسر سیّد محمد منصور احمد خالد، بطحا کے اجالوں کا فیضان حبیب اللہؒ مشمولہ منقبت میرے حضورؒ حصّہ دوم، (لاہور: ذکریٰ فاؤنڈیشن ٹرسٹ، ۲۰۱۴ء)، ۴۲۸۔۴۲۹۔

(۳) ایضاً، ۴۲۸۔

(۴) پرفیسر سیّد محمد منصور احمد خالد۔ اُس حبیبؒ ولی کا دروازہ مشمولہ منقبت میرے حضور علیہ الرحمۃ حصّہ دوم، (لاہور: ذکریٰ فاؤنڈیشن ٹرسٹ، ۲۰۱۴ء)، ۴۲۷۔

(۵) پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہرؔ، مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ کا حسب نسب اور آپؒ کے آباؤاجداد مشمولہ میرے حضور علیہ الرحمۃ حصہ اوّل، (لاہور: ذکریٰ فاؤنڈیشن ٹرسٹ، ۲۰۱۴ء)، ۷۹، ۱۱۳۔

(۶) پرفیسر سیّد محمد منصور احمد خالد، کرم کا ابر تھا انسان کے لبادے میں مشمولہ منقبت میرے حضور علیہ الرحمۃ حصّہ دوم، (لاہور: ذکریٰ فاؤنڈیشن ٹرسٹ، ۲۰۱۴ء)، ۴۱۶۔

(۷) حفیظ تائب، پیشوائی مشمولہ مثنوی ماہِ صیام، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۱۹۹۶ء)، ۶۔

(۸) منصور احمد خالد، پھلاں بھری چنگیر، ۱۵۔

(۹) اصغر سلیم، پھلاں بھری چنگیر، ۱۲۔

(۱۰) پروفیسر حفیظ صدیقی، پروفیسر سیّد منصور خالد: آس امید دا شاعر مشمولہ مضمون پیڑ پراگے، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۲۰۰۰ء)، ۱۵، ۱۷۔

(۱۱) پروفیسر سیّد منصور احمد خالد، پیڑ پراگے ، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۲۰۰۰ء)، ۱۳۲۔

(۱۲) ایضاً، ۱۳۳۔

(۱۳) ایضاً، ۱۴۳۔

(۱۴) ایضاً، ۳۱۔

(۱۵) محمد اقبال زخمی، پنجابی ادب وچ اک نگھر وادھا مشمولہ واج دی پچھان رکھنا، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۲۰۰۰ء)، ۷۔

(۱۶) پروفیسر سیّد منصور احمد خالد، واج دی پچھان رکھنا، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۲۰۰۰ء)، ۲۱۔

(۱۷) ایضاً، ۲۳۔

(۱۸) ایضاً، ۹۰۔

(۱۹) پروفیسر سیّد محمد منصور احمد خالد، فرید زمانہ مشمولہ مواعظِ شہِ یُوسف علیہ الرحمۃ، (لاہور: ذکریٰ فاؤنڈیشن، ۲۰۱۹ء)، ۳۰۸۔

(۲۰) ایضاً، ۳۰۵۔

(۲۱) حفیظ تائب، ویہویں صدی دا شاہکار مشمولہ طلع البدر علینا، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۲۰۰۵ء)، ۳۴۔

(۲۲) پروفیسر غلام رسول عدیم۔ طلع البدر علینا دا فکری تے فنی جائزہ مشمولہ طلع البدر علینا، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۲۰۰۵ء)، ۳۵۔

(۲۳) پروفیسر سیّد منصور احمد خالد، طلع البدر علینا، (گوجرانوالا: حبیب اکیڈمی، ۲۰۰۵ء)، ۱۰۶۔

BIBLIOGRAPHY

- Syed Mansoor Khalid, *Pīr Pragay*, (Gujranwala: Habib Academy, 2000).
- Muhammad Irfan ul Haq, *Movaaz-e Shah-e Yoūsuf*, (Lahore: Zikra Foundation Trust, 2019).
- Syed Mansoor Ahmad Khalid, *Phūllan Bhari Changair*, (Gujranwala: Maktaba Al-Kalam, 1969).
- Syed Mansoor Khalid, *Masnavī Mah-e Siyyām*, (Gujranwala: Habib Academy, 1995).
- Syed Mansoor Khalid, *Tala al Badru Alaina*, (Gujranwala: Habib Academy, 2005).
- Syed Mansoor Khalid, *Waj di Pichan Rakhna*, (Gujranwala: Habib Academy, 2000).
- Syed Muhammad Kabir Ahmad Mazhar, *Maray Hazūr*, (Lahore: Zikra Foundation Trust, 2014).

❖❖❖